بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

ماہنامہ دار العلوم کی گذشتہ اشاعت میں ایک صاحب نے حضرتنا الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ الکشمیریؒ کے متعلق اپنی ذاتی شہادت لکھی ہے کہ حضرت نے ایک مجلس میں فرمایا کہ فلسفۂ قدیم اسلام سے بہت دور تھا اور اس کے مقابلہ میں موجودہ سائنس اسلام سے بہت قریب ہے۔ کتنے لوگوں نے یہ فقرہ پڑھا ہوگا لیکن اس ایک چند حرفی فقرہ کی اہمیت کیا ہے؟ یہ کم لوگوں کو محسوس ہوا ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان و ادب میں تو امامِ وقت اور یگانۂ روزگار تھے ہی جس کا اعتراف سب کو ہے لیکن اس کا علم شاید کم ہی لوگوں کو ہوگا کہ حضرت الاستاذ موجودہ سائنس یعنی فزیکس۔ کیمسٹری اور بیالوجی کا بھی بڑا وسیع مطالعہ رکھتے تھے اور ان علوم میں ان کی نظر مبصرانہ تھی۔ آئزک نیوٹن اور دوسرے علماء سائنس کی کتابوں کے تراجم عربی زبان میں ہو چکے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے انھیں تراجم کی مدد سے ان علوم کا مطالعہ کیا تھا اور ان میں اس درجہ درک و بصیرت پیدا کرلی تھی کہ طلبہ کی ایک مخصوص جماعت کو جن میں ایک مولانا محمد بدر عالم صاحب مؤلف ترجمان السنہ بھی تھے۔ باقاعدہ سائنس کا درس دیتے تھے۔

ناقد جلیل صاحب جو آج کل یو۔ پی سکریٹریٹ میں اعلیٰ عہدہ پر ہیں۔ جس زمانہ میں علی گڈھ میں سائنس کے مشہور طالب علم تھے۔ ایک مرتبہ سیوہارہ میں حضرت شاہ صاحب سے ملے اور ایتھر کے متعلق کچھ سوالات کئے۔ حضرت الاستاذ نے ان سوالات کے جو مفصل جوابات دیئے۔ ناقد جلیل صاحب کہتے تھے کہ یہ جوابات اس درجہ عالمانہ اور فاضلانہ تھے کہ ہماری یونیورسٹی کا ایک پروفیسر اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ بہرحال لکھنے کا منشا یہ ہے کہ سائنس کو اسلام سے قریب تر جس ذاتِ گرامی نے کہا ہے وہ صرف ابن حجرِ وقت اور ابن تیمیہ عصر ہی نہیں تھی بلکہ سائنس کے مختلف علوم سے بھی بڑی حد تک آشنا اور اُس کی مبصر تھی اس بنا پر آپ کا یہ ارشاد ایک بیرونی تماشائی کا نہیں بلکہ محرمِ خانہ اور واقفِ رازِ

بزرگان ہیں

اندرون کا ارشاد ہے اور اس بنا پر علما، اور انگریزی تعلیم یافتہ دونوں کے لئے نہایت اہم اور سبق آموز ہے

مثلاً فلسفہ قدیم کے وہ مسلمات و نظریات جن سے اسلام کو شدید نقصان پہنچا اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عرض قائم بالغیر ہوتا ہے اور لا یبقی زمانین۔ اُس کا وجود آنی اور فانی ہوتا ہے۔ اس ایک مسئلہ کی وجہ سے اعمال کا وزن ناممکن ہو جاتا ہے۔ افعال کے صدور سے قبل استطاعت کا وجود محال قرار پاتا ہے۔ قیامت کے دن ہاتھ پاؤں کی شہادت کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ صحیح بخاری میں ہے "کلمتان خفیفتان علی اللسان، ثقیلتان فی المیزان" اس کی کوئی اصل باقی نہیں رہتی۔ لیکن سائنس نے تمام چیزوں کی اصل انرجی کو تسلیم کر کے ان تمام وساوس و اوہام کا خاتمہ کر دیا ہے، آج حرارت، آواز اور خیال تک کی پیمائش اور اُن کا وزن کیا جا سکتا ہے۔ انسان کا چہرہ اور اس کے اعضاء اپنی زبان میں گفتگو کرتے نظر آتے ہیں، سائنس کے تخلیقی شاہکاروں کا دارومدار تین ہی چیزوں پر ہے۔ بجلی، کوئلہ اور پیٹرول۔ آخر الذکر دونوں چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ قرآن نے اذا زلزلت الارض زلزالھا ہ واخرجت الارض اثقالھا ہ وقال الانسان مالھا ہ یومئذٍ تحدث اخبارھا ہ بان ربک اوحیٰ لھا ہ کہہ کر پہلے ہی موجودہ عہد کی ان ترقیات اور ایجادات کی کرشمہ سازیوں کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ پھر آج کل اٹیم کی انرجی کا بڑا شہرہ ہے۔ آپ جانتے ہیں یہ اٹیم قدیم فلسفہ کا وہی جزء لا یتجزیٰ ہے جس کو فلسفہ نے ہمیشہ رد کیا لیکن قرآن نے کل ہمزۃ لمزۃ کہہ کر فلسفہ کی اغلوطہ کاری کا پردہ چاک کیا اور اس طرح قیامت کے ثبوت کے لئے ایک راہ ہموار کی۔ شاعر نے کہا تھا:۔ "لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرہ کا دل چیریں" لیکن آج اٹیم کی بے پناہ طاقت کے انکشاف کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ شاعر نے نری شاعری کی تھی اور حقیقت بیانی نہیں کی تھی۔

پھر اسی سائنس کا صدقہ ہے کہ خدا کا وجود اپنے تمام کمالاتِ الوہیت کے ساتھ عقلی طور پر جس قدر آج یقینی اور قطعی ہو گیا ہے اب سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ علمائے سائنس نے اس کثرت اور شدت کے ساتھ خدا کے وجود کا اقرار کیا ہے کہ اب سائنس کے طالب علم ہونے کے معنی ہی "موحد"

ہوتا ہیں۔

اس سلسلے میں آئنسٹائن اور وہائٹ ہیڈ کے نام خاص طور پر لیے جا سکتے ہیں جن میں سے اول الذکر نے مادہ کا تصور ہی ختم کر دیا اور موخر الذکر نے ریاضی کے اصول سے خدا کے وجود اور اُس کی صفات کا اثبات کیا اور غالباً سائنس کی اسی پیدا کی ہوئی عام فضا کا اثر ہے کہ پچھلے دنوں روس کی کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر خرشچیف بھی تقریر کرتے کرتے بے ساختہ خدا کا نام لے پڑے اور ان کے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھ گئے

علاوہ بریں غور کرو جمہوریت۔ مساواتِ انسانی۔ شرف و مجدِ بنی آدم۔ عالمی شہریت معیشتِ باہمی۔ وحدتِ ادیان۔ یہ سب جو آج کی دنیا کے سب سے زیادہ محبوب نعرے ہیں۔ کس کی صدائے بازگشت ہیں؟ ان تمام افکار کا اصل منبع اور سرچشمہ کہاں ہے؟ وہی وادیٔ بطحا جس کی ارضِ پاک پر آخری کتابِ الٰہی کا نزول ہوا یا کوئی اور؟ اگر یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے اور جوشِ عقیدت کا شاعرانہ پیرایۂ اظہار نہیں تو باور کرنا چاہیئے کہ آج دنیا علمی اور فکری و نظری اعتبار سے اسلام سے جتنی قریب آگئی ہے اتنی کبھی نہیں آئی تھی۔ فکر و نظر کی گمراہی اور عقل و دانش کی غلط اندیشیوں کا وہ کون سا تلخ تجربہ ہے جو دنیا نے نہیں کر لیا۔ اور جس کے تباہ کن نتائج خود اُس نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ لئے۔ آج یہ کیا ہے کہ وہی یورپ اور امریکہ جو خدا ناشناسی کے لئے مشہور تھے۔ وہاں گراہام بیلی کی دعوتِ خداشناسی پر لاکھوں انسان سر دھنتے ہیں اور رو رو کر پھر خدا کی طرف لوٹ جانے کا عہد و پیمان کرتے ہیں اور وہ اپنی ایک ایک تقریر سے ہزاروں مردوں اور عورتوں کو بیک وقت بپتسمہ لینے پر مجبور کر دیتا ہے یہ سب اس بات کی علامت ہے کہ انسانیت کا مردہ ضمیر پھر بیدار ہو رہا ہے۔ اور اُس کی اخلاقی حس کی رگوں میں زندگی کا پھر تازہ خون پیدا ہو رہا ہے۔

ان حالات میں سوچنا اور غور کرنا چاہیئے کہ خود دینِ حق اور مذہبِ قیم کے علم برداروں کا کیا فرض ہے اور اُس فرض کو کس طرح ادا کیا جا سکتا ہے؟